مطبوعات

FREEDOM FOR QURAN
مؤلف: احمد نواز
ضخامت ۲۴۱ صفحات مجلد
قیمت: -/۵۱ روپے
پبلشر اور ملنے کا پتہ نامعلوم

عرصے کے بعد ایک دلچسپ کتاب سامنے آئی ہے۔ تبصرے کی کتابوں کا سارا ڈھیر چھوڑ کر پہلا نمبر اسے دیا۔ پڑھا تو یوں لگا جیسے کوئی ذہین بچہ پکیٹو سے کھیل رہا ہو۔

کتاب کا مقصد تمہیدی صفحے میں یہ بتایا گیا ہے کہ قرآن کو (اس معنی میں) آزاد کرایا جائے کہ خدائی احکام کی توضیح خود قرآن ہی سے ہو جائے.... باقی ہر چیز انسانی چرب زبانی ہے۔ بعد کے مضمون میں قرآن کو انسانی مداخلت (HUMAN TOUCH) سے تحفظ دلانے کے الفاظ بھی استعمال ہوئے ہیں۔

مگر سوال یہ ہے کہ آیا دو سو اکتالیس صفحے کی یہ کتاب خود قرآن کے متعلق انسانی کاوشوں پر مشتمل نہیں ہے؟ اور اس میں تفسیر و توضیح نہیں کی گئی ہے؟ جا بجا فرمایا کہ فلاں لفظ کو سمجھنے کے لیے فلاں حصۂ قرآن دیکھیے۔ اور فلاں آیت کی تشریح فلاں کی مدد سے کیجیے۔ پھر کہیں اپنے اقتصادی موضوعات اور کہیں معروف سائنسی بحثوں کا سانچا بنا کر قرآنی آیات و اصطلاحات کو ان میں ڈھال دیا ہے۔ کمال تو یہ ہے کہ مارکس اور سارتر اور کئی دوسرے مغربی عالموں کے حوالوں سے قرآن کی وضاحت کی گئی ہے —

دریافت طلب یہ ہے کہ اگر قرآن کے احکام اور بیانات اور مطالب پر کسی انسان (حتیٰ کہ خدا کے رسولؐ) کو بھی کلام کرنے کا حق نہیں ہے تو یہ حق آپ کے لیے کہاں سے برآمد ہوا؟ قرآن جانے اور قرآن کے پڑھنے والے جانیں۔ وہ جس آیت یا اصطلاح کا مفہوم جو چاہیں اختیار کریں اور جس حصے کو جس دوسرے حصے کی مدد سے چاہیں سمجھیں۔ بیچ میں بولنے والے آپ کون؟ جس جرم کا مجرم آپ نے (نعوذ باللہ) پیغمبرؐ سے لے کر تمام صحابہ و اسلاف تک کو بنا ڈالا اور اس ناوک کی زد سے کوئی مرغ قبلہ نما بھی نہ بچ سکا۔ خود اسی کے مرتکب ہو کر آپ نے سامنے آنے کی جرأت کیسے کی ہے؟ دیانت داری کا تقاضا یہ ہے کہ

اپنی اس کتاب کو واپس لیجیے اور دستِ مبارک سے خود ہی چولہے میں جھونک دیجیے۔ ورنہ دیگراں را نصیحت کر کے خود میاں فضیحت بننے سے بات اور بگڑے گی۔[1]

افسوس کہ میرے پاس صفحات کم ہیں اور یہ کتاب ہر صفحے پر ایسے کرشمے رکھتی ہے کہ دل کہتا ہے کہ جا ایں جاست! آخر ہر نکتہ لطیف پر کیسے بحث کی جا سکتی ہے۔ بس چند مختصر گذارشات!

صفحہ ۲ پر بڑے طنزیہ انداز میں قرآن کی آیت (۶۲-۵) کو چسپاں کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ ہمیں تو تاکید کی گئی تھی کہ تم انبارِ کتب سے لدے ہوئے گدھے نہ بننا۔ (ص ۲)

اصل آیت پر تو گویا نظر ہی نہیں۔ "ڈاکٹرز آف انڈکس" جب قرآن کی آیات اِدھر اور اُدھر سے نکال کر تشریح کرتے ہیں تو بڑے لطائف پیدا ہوتے ہیں۔ آیت جس کا حوالہ دیا گیا ہے اُسے سورۂ جمعہ میں ملاحظہ فرمایئے۔ کہا یہ گیا ہے کہ جن لوگوں کو توراۃ کا بار اُٹھوایا گیا تھا، انہوں نے بعد میں اسے (حقیقت میں) اُٹھا کر نہیں دیا۔ اُن کی مثال اُس گدھے کی سی ہے جس پر کتابیں لدی ہوں (کہ وہ نہ اُن کو سمجھ سکے اور نہ اُن پر عمل کرے)۔ یعنی تورات کو انہوں نے خدا کی کتاب کی حیثیت سے اُٹھا تو لیا، مگر نہ اُس سے رہنمائی حاصل کی اور نہ اُس پر عمل کیا۔ اسی بات کو قرآن نے ایک دوسرے انداز سے سورۂ مائدہ میں پیش کیا۔ آیت ۶۸ میں کہا گیا ہے کہ اے اہل کتاب تمہارا کوئی موقف نہیں ہے اُس وقت تک جب تک تم تورات اور انجیل کو اپنی زندگیوں میں عملاً قائم اور نافذ نہ کرو۔ پیچھے آیت ۶۶ میں یہ بھی کہہ دیا کہ اگر وہ تورات و انجیل پر عمل کرتے تو وہ تحت و فوق سے رزق پاتے۔ مگر زورِ سلوگنی گفتگو آپ کے پورے تھیسس کو ساقط الاعتبار نہ کر دے۔

مگر احمد نواز صاحب نے اپنے تحفظ کے لیے راہ اِستثنیٰ نکال لی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ چونکہ میری باتیں

---

[1] یہاں آپ کے کچھ ہم نوا اور بھی ہیں۔ ان سب کی کتابوں اور رسائل کو جمع کیا جائے تو بات انبارِ خر تک محدود نہیں رہتی بلکہ انہیں اُٹھوانے کے لیے کسی خرکار کی خدمات لینی پڑیں گی اور پھر اُوپر معتزلہ اور خوارج میں سے جن لوگوں نے "خالص قرآن" اور "فقط قرآن" کا نعرہ لگایا تھا اُن کی لکھی ہوئی تفسیریں اور کتابیں بھی بڑی بڑی ہیں۔ وہ سارا حساب آپ ہی کے کھاتے میں ہے، اور آپ ہی جائز وارث ہیں۔ کیا خیال ہے ان انسانی نگارشات کے متعلق!

کسی پیشہ ور مذہبی پیشوا کی تخلیق نہیں ہیں، اس لیے میرے پیغام کو مسترد نہ کیا جائے۔ اب ایک اور مسئلہ پیدا ہو گیا کہ پیشہ ور مذہبی پیشوا اگر قرآن کی کوئی تشریح کرے یا دین کا تصور پیش کرے تو مسترد، اور غیر پیشہ ور کرے تو واجب القبول۔ بلکہ پوری نفی تو یوں ہوتی ہے: "غیر پیشہ ور، غیر مذہبی، غیر پیشوا"۔ مگر صاحب کون کہہ سکتا ہے کہ اس کتاب کے لکھنے کے بعد آپ اچھے خاصے دینی مفکر اور مدبر نہیں مانے جائیں گے اور دو چار اور کتابیں لکھ کر پیشہ ور نہیں بن جائیں گے۔ سوال یہ بھی ہے کہ سلف کے جن بزرگوں پر اعتراض ہے ان کے متعلق آپ کو ثابت کرنا ہوگا کہ پیشہ ور مذہبی پیشوا کون کون تھے۔

یوں بھی ہم جاننا چاہتے ہیں کہ دنیا میں کونسا علم، کونسا قانون اور کون سا مذہب یا ازم ایسا ہے کہ جس کے متعلق کتابوں کے انبار موجود نہ ہوں۔ کیا اقتصادیات، نفسیات، سائنس و تعلیم پر ہزاروں کتابیں موجود نہیں ہیں؟ شیکسپیر اور ملٹن اور اقبال اور غالب کے بارے میں الماریوں تحریریں لکھی گئی ہیں۔ صرف رومن امپائر، صرف بغداد اور صرف جنگِ عظیم I و II پر بے شمار لٹریچر ہے۔ پھر یہ کیسے قابل تصور ہے کہ خدا کا ایک پیغمبر اٹھے، ۲۳ سال انقلابی کام کرے، جنگیں لڑے، نظام چلائے اور خاص اس دائرے کو علم اور فکر سے خالی رکھا جائے۔ کوئی ریکارڈ نہ ہو، کسی بحث کا ذکر نہ ہو، کوئی سوالات نہ اٹھے ہوں، اور جواب نہ دیے گئے ہوں، قرآن کے متعلق زبانیں بند رکھی گئی ہوں اور مسائلِ دین میں قلموں کے راہواروں کو کھونٹے سے باندھ دیا گیا ہو۔ کیا لایعنی بات ہے۔

پیدائشِ انسان یا قصۂ آدمؑ کے بارے میں ص ۱۵، ۸۰، ۸۱، ۸۸ کو دیکھنے سے معلوم ہوا کہ انسان کی تخلیق مروجہ نظریۂ ارتقاء کے مطابق ہوئی ہے۔ (حالانکہ خود اس نظریے پر مغربی داناؤں کا اتفاق نہیں ہے) اور آدم کی ساخت اور نفخ روح اور لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ کی مناہی، پھر اهبطوا کا حکم وغیرہ سب کچھ اسی زمین پر ہوا ہے۔ باقی باتیں قرآن میں انسانی مداخلت ہیں۔ مگر ہم مؤلف کتاب سے پوچھتے ہیں کہ نظریۂ تخلیق کے متعلق جو نکات صفحہ در صفحہ آپ نے جس شکل میں بیان فرمائے ہیں، وہ قرآن نے کہاں دیے ہیں؟ آپ قرآن کے چند الفاظ کو لیتے ہیں اور پھر اپنے نتائجِ تدبر تفصیل سے بیان فرمانے لگتے ہیں۔ ایک اور دلچسپ نکتہ۔ حضرت نوحؑ کی قوم کا غرقِ طوفان ہونا یہ معنی رکھتا تھا کہ ان لوگوں نے من مانا سماجی اقتصادی نظام اختیار کر لیا۔ سو وہ جدید اصطلاح کے مطابق اقتصادی بلبلے کے پھٹنے (BURSTING OF ECONOMIC BUBBLE) سے تباہ ہو گئے (ص ۸۱)۔ پھر سورہ دہر کی طرف توجہ منعطف ہوتی

ہے۔ آیت ۱۱ میں ہے۔ فَوَقٰهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ ..... یعنی بچا لیا اللہ نے اُن کو اُس یوم (قیامت) کے شر سے۔ اُس "یوم" کی تشریح کرنے کے لیے انقلاب فرانس اور سوویت انقلاب (کے دنوں) کی مثال پیش کی گئی۔ (ص ۸۳) بہت سے مقامات پر قیامت، جہنم اور جنت کا معاملہ اسی طرح گول کر دیا گیا ہے۔

مذہبی لوگوں پر غیظ و غضب کا ایک چھینٹا ص ۴۷ پر یوں ڈالا گیا ہے کہ "جب تم دنیا میں آتے ہو تو یہی لوگ سب سے پہلے تمہارے سکون میں مخل ہوتے ہیں"۔ (یعنی اذان کہتے ہیں) "اور سب سے آخری ہوتے ہیں جو تمہیں مرنے کے بعد آرام کے لیے چھوڑتے ہیں"۔ یعنی جنازہ پڑھتے ہیں۔ اور "یہ لوگ بچوں کو ختنے کی اذیت میں ڈالتے ہیں، گویا کہ خالق نے اپنے کام میں کوئی غلطی کر دی ہے"۔ مجھے یاد آیا کہ بچپن میں یہ آخری دلیل سکھوں سے سُنا کرتے تھے کہ تم لوگ فطرت میں خلل ڈالتے ہو۔ جہاں دایہ کی زچہ گیری اور زچہ و بچہ کے آخری جسمانی تعلق کو ختم کرنا، بلکہ ناخن اور بال ترشوانا، حتیٰ کہ خدا کے بے لباس پیدا کردہ جسم کو لباس میں لپیٹنا اِن "قرآنیوں" کے فلسفے کی رُو سے (نعوذ باللہ) خدا کے کارِ ناتمام کی تکمیل ہے یا پھر اصلاح۔

عبادات کا تصور بھی خوب ہے۔ صفحہ ۵۲ پر نماز کی شان میں فرمایا کہ "ہماری نماز صحت و صفائی کے لیے ضروری ہے۔ سجدے میں ہوں تو قلب سے دباؤ ہٹ جاتا ہے۔ بیٹھیں (قعدہ میں) تو زیریں حصہ جسم کی رگوں میں خون دوڑتا ہے۔ اور اس ورزش کی وجہ سے وہ پھولتے نہیں بلکہ لچکدار رہتے ہیں (۵۲) حرام ہے جو کوئی ذکر تقویٰ یا روحانیت وغیرہ کا ہو۔ ص ۸۴، ۸۵ پر مسئلہ قربانی پر چھری چلائی گئی ہے۔ لیجیے صدقات کی تعریف بھی سن لیجیے۔ "یہ وہ ادائیگیاں ہیں جو بعض ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے لیے کی جاتی ہیں۔ جیسا کہ محنتانہ، حصہ دارانہ منافع یا بل کی ادائیگی وغیرہ"۔ اور زکوٰۃ؟ "اقتصادی ترقی کے لیے ایسی ادائیگیاں جو سرمایہ کاری (INVESTMENT) کی صورت میں پوری ہوں گی (ص ۱۰)

معراج النبی کا بیان بھی ملاحظہ ہو۔ انسان کے من گھڑت افسانوی ڈھکوسلوں کی مثال دیتے ہوئے فرمایا کہ "ایک شخص آسمانوں پر جاتا ہے اور وہاں سے وہ قرآن کے علاوہ بھی کچھ خدائی ہدایات لے کر آتا ہے"۔ (ص ۵۰)

ابھی آدھی سے زیادہ کتاب باقی ہے جس میں "بے آمیز قرآنی دین" کے مسائل کی بے شمار دلچسپیاں اور لطائف دامنِ توجہ کھینچتے ہیں خصوصاً مرتد کی بحث بڑی ماہرانہ ہے۔ بات ختم کرنے سے پہلے صرف ایک بنیادی تصور۔ مؤلف نے قرآنی جیومیٹری کے تحت ایک "مثلثِ دروغ" دریافت کی ہے۔ اس کے تین اضلاع یہ ہیں:- ۱۔ احادیث ۲۔ تفاسیر ۳۔ سیرت۔ (ص ۳۰) قرآن اس مثلث میں بند ہے (باقی برصفحہ ۱۸)

(بقیہ اشارات) تحفظ واحصان حاصل ہے۔ لہٰذا اگر وہ اُسے توڑ کر جرم کرتی ہے تو سزا پہلی صورت سے دگنی ہوگی اور یہی عام معیاری سزا ہے۔ تیسری صورت میں چونکہ خاندان اور نکاح کی دو قلعہ بندیاں کو توڑ کر مجرمہ جرم کرتی ہے۔ اور یہ عبارتِ جرم غیر معمولی درجے کی ہے (اور اس پر شہادت بھی غیر معمولی درجے کی لی جاتی ہے) لہٰذا سزا رجم ہے۔ اسی طرح غیر شادی شدہ مرد اور شادی شدہ مرد کے معاملے میں فرق ہے۔ جن لوگوں نے نکاح سے پہلے کی حالتِ احصان کو نہیں سمجھا، اور خاندانی احصان اور نکاحی احصان میں فرق نہیں کیا۔ انہوں نے خاندانی منکوحہ اور خاندانی غیر منکوحہ عورت یا مرد میں فرق نہیں کیا ہے۔ حالانکہ سورۂ نساء میں دو قسم کی عورتوں کی سزا کا ذکر ہے۔ ایک منکوحہ کنیز، دوسرے غیر منکوحہ شریف خاندانی عورت[1]۔ یہاں سرے سے شادی شدہ آزاد خاندانی عورت کی سزا کا قصہ ہی نہیں۔ وہ ایک الگ درجہ جرم ہے اور اس کی سزا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح بھی کی اور جاری بھی کی۔

(۲)

اب موقع آیا کہ آپ یہ سوال اُٹھائیں کہ غیر شادی شدہ محصناتِ مومنات اور منکوحہ کنیزوں کی سزا تو سورۂ نور میں آگئی۔ آخر شادی شدہ شریف عورتوں کی دوسری حالتِ احصان کی بنا پر جو سخت ترین

---

[1] سورۂ نساء کی آیت ۲۵ یوں شروع ہوتی ہے کہ وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ .... (تم میں سے جو کوئی استطاعت نہ رکھتا ہو کہ مومن عورتوں میں سے محصنات (محفوظ) کے ساتھ شادی کرے ...." یہاں تک صاف مطلب یہ ہوا کہ مومن عورتیں شادی کرنے سے پہلے بھی ایک قسم کی حالتِ احصان میں ہوتی ہیں۔ اُن کے بالمقابل دوسری طرف غیر خاندانی عورتوں کے متعلق یہ الفاظ آتے ہیں کہ "فَاِذَآ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ" : ترجمہ پھر اگر وہ حالتِ احصان میں آجائیں (یعنی نکاح کر لیں) تو اُن کے لیے سزا نصف ہوگی۔ بات واضح ہے کہ شریف خاندانی عورتوں کی حالتِ احصان مستقل ہے اور مضبوط، بخلاف اس کے نکاح کرنے والی کنیز کو نکاح کی وجہ سے جو حالتِ احصان حاصل ہوتی ہے وہ نسبتہً کمزور نوعیت کی ہے۔ اس فرق کا اثر سزا پر پڑا۔

سزا بیان کی جاتی ہے، وہ قرآن میں کہیں نہیں ہے۔ یہ کیا سلسلہ ہے؟ آخر جو چیز قرآن میں نہیں ہے۔ ہم اُسے کیوں مانیں؟

اس کی وجہ تو ہم بعد میں بیان کریں گے کہ رجم کی سزا کہاں ہے اور مدینے کی سوسائٹی میں کیسے جاری ہوئی، پہلے ایک اور سوال کو حل کر لینا ضروری ہے۔

وہ یہ ہے کہ آپ قرآن یعنی "الکتاب" کو مانتے ہوئے "الرسول" کو اس سے الگ رکھنا چاہتے ہیں اور "الرسول" کوئی بات کہے یا سمجھائے تو آپ اُسے قرآن پر اضافہ یا اُس کی مخالفت سمجھتے ہیں۔ بخلاف اس کے "الکتاب" (قرآن) جسے ہم نے "الرسول" ہی کے اعتماد پر، اور اس پر ایمان لانے کی وجہ سے برحق اور من جانب اللہ مانا ہے۔ اسی نے ہم سے یہ تسلیم کرایا ہے کہ "الرسول" صرف قاصد نہیں ہے کہ ایک دستاویز پہنچا کر وہ الگ ہو گیا ہو، بلکہ وہ الکتاب نازل کرنے والے ہی کی طرف سے مامور شدہ معلم و مزکی بھی ہے، اسے الکتاب کی "تبیین" (تشریح و توضیح) کی ذمہ داری سونپی گئی ہے، انہیں ذمہ داریوں کی وجہ سے الکتاب ہی نے بتا دیا کہ وہ جو کچھ کہتا ہے، وحی کے مطابق کہتا ہے۔ اُسے مبعوث کرنے والے خدا نے اپنی اطاعت کا مطالبہ کرنے کے ساتھ (مگر الگ واضح طور پر) اس کی اطاعت کا بھی ہم سے مطالبہ کیا ہے۔ جس طرح اس سے پہلے کے تمام رسول "مطاع" (یعنی واجب الاطاعت) باذن اللہ تھے، اسی طرح آخری "الرسول" بھی مطاع ہے۔ وہ قرآن پر عمل کرنے کا جو طور طریقہ اختیار کرے وہ تمام اہلِ ایمان کے لیے لازمی طور پر اسوہ و نمونہ ہے اور خلقت کے لحاظ سے بشر ہونے کے باوجود تمام آدمیوں کی طرح نہیں ہے کہ جو چاہے کہتا رہے اور جو چاہے کرتا رہے۔ ہم سے کوئی مطلب نہیں۔

الکتاب اس بات کی بھی گواہ ہے کہ الرسول کا کوئی قول و فعل اگر مرضیٔ الٰہی سے ذرا بھی اِدھر اُدھر ہوا تو فوراً متوجہ اور متنبہ کر دیا گیا۔ لہٰذا ظاہر بات ہے کہ اگر کوئی ایسی بات خدا کے رسولؐ کی طرف سے ہوئی ہوتی جو قرآن پر اضافہ ہوتی یا اُس سے ٹکراتی یا اُس کے منشا کو بدلنے کا باعث بنتی تو ٹھیک اسی طرح الکتاب میں کوئی ایسا کلمۂ گرفت وارد ہوتا جیسے لِمَ تُحَرِّمُ مَا اَحَلَّ اللہ وارد ہوا ہے، یا جیسے سورہ عبس میں خصوصی توجہ دہانی ہے۔ یا بدر کے قیدیوں کے متعلق وحی جلی میں ایک واضح اشارہ ہے یا جیسے قطعی نہی ہے کہ وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓی اَحَدٍ مِّنْھُمْ مَّاتَ اَبَدًا

وَلَا تَقُمۡ عَلٰی قَبۡرِهٖ ؕ

صلح حدیبیہ کے موقع پر جب عہد نامے کے آغاز میں بسم اللہ کے آخری الفاظ الرحمٰن الرحیم اور خاتمے پر "رسول اللہ" کے الفاظ کاٹے گئے، پھر عہد نامے کی یہ شرط سامنے آئی کہ قریش کا کوئی شخص اگر اپنے ولی کی اجازت کے بغیر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس آئے گا تو آپ واپس لوٹا دیں گے مگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا کوئی آدمی اگر قریش کے قابو میں آجائے گا تو وہ واپس نہیں کریں گے، تو مسلمانوں کے خواص و عوام سب کے جذبات میں ہل چل مچ گئی۔ یہاں تک کہ (شرائط طے ہوجانے کے بعد) عین معاہدہ نویسی کے دوران میں ابوجندل بن سہیل قید سے بھاگ کر پابہ زنجیر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر فریادی ہوا۔ قریش کے مطالبے پر اس نوجوان کو حضورؐ نے بادلِ نخواستہ واپس کرنے کا فیصلہ کیا۔ ورنہ سارا معاہدہ درہم برہم ہوجاتا۔ صحابہ میں اس منظر نے خاموش قسم کا اشتعال پیدا کر دیا اور معاہدے کے بعد جب حضورؐ نے قربانیاں کرنے اور سر منڈانے کا حکم دیا تو کوئی ٹس سے مس نہ ہوا۔ تب حضورؐ نے فرمایا کہ میں خدا کے حکم کا پابند ہوں (اوکما قال) اور اس بات کی تصدیق سورۂ فتح سے ہوتی ہے، جس میں اس معاہدے کے متعلق ارشاد ہوا کہ: اِنَّا فَتَحۡنَا لَكَ فَتۡحًا مُّبِيۡنًا۔ اب فرمائیے کہ سفرِ عمرہ اور صلح حدیبیہ اور شرائطِ معاہدہ کے

لہ انبیاء کی عصمت کے دو پہلو ہیں: ایک یہ کہ وہ نفسانیت اور عدمِ اخلاص سے کبھی نہیں سوچتے — دوسرے یہ کہ مفادِ دین ہی کے لیے سوچتے ہوئے اگر معاملہ ایک بال برابر اِدھر اُدھر ہوجائے تو فوراً صریح وحی سے متوجہ کر دیا جاتا ہے۔ جیسے حضرت نوح علیہ السلام کو فرزند کی سفارش پر کیا گیا یا حضرت یونسؑ کو عذاب کے ورود سے قبل (جس کا اشارہ دیا بھی جاچکا تھا۔ مگر ابھی مہلتِ انابت قوم کے لیے باقی تھی) حکمِ الٰہی ملنے سے پہلے مقامِ دعوت کو چھوڑ دینے پر کیا گیا۔ اگر الرسول کو خالص قرآنی مذہبیت کے علمبرداروں کی طرح (نعوذ باللہ) خارج از محفل ہی رکھنا تھا تو پھر متذکرہ اہتمام کی کیا ضرورت تھی۔ انبیاء کا یہ مقامِ معصومیت خود گواہ ہے کہ خدا کی عطا کردہ سند (اتھارٹی) کے تحت مطاع تھے اور اُن کے قول و فعل کو جزوِ دین ہونا چاہیے۔

متعلق قرآن میں کہاں ریکارڈ ملتا ہے۔ یہ تو صرف الرسول کی بارگاہ سے فراہم ہو رہا ہے۔

اِس مضمون میں زیادہ مثالیں نہیں دی جا سکتیں۔ بس ایک اور! خطبۂ حجۃ الوداع تو آج ایک آج ایک عظیم بین الاقوامی منشورِ حقوق کی حیثیت سے پیش کیا جاتا ہے۔ اس میں کچھ قانونی احکام ہیں، کچھ اصولی ہدایات اور کچھ حکیمانہ اشارات۔ اِس دستاویز کی کیا حیثیت ہے؟ یہ قرآن پر اضافہ ہے، قرآن سے متعارض ہے؟ کیا یہ فی نفسہٖ قرآن ہے؟ قرآن کی تشریح ہے؟ کیا اس کے موضوعات محض وقتی قسم کے ہیں؟ کیا اسے آپ یہ کہہ کر ناقابلِ اعتنا قرار دے سکتے ہیں کہ یہ چونکہ قرآن سے باہر کی ایک چیز ہے لہٰذا دین سے اس کا کوئی تعلق نہیں؟ اس کسوٹی پر اپنی منطق کو خوب پرکھ لیں۔

اسی اعلامیے یا دستاویز میں ایک جملہ یہ ہے کہ الولد للفراش وللعاھر الحجر۔ بچے پر حق اس کا جس کے بستر پر (یعنی گھر میں) پیدا ہو، اور زانی کے لیے پتھر۔ یعنی زانی کسی بچے کے متعلق دعویٰ (CLAIM) نہیں کر سکتا کہ یہ میری بدکاری کا نتیجہ ہے۔ لہٰذا میں اس پر حق رکھتا ہوں، نہیں، وہ اگر زنا کا اقرار کرے گا (یا شرعی طریق سے اس کا جرم ثابت ہو جائے گا) تو اُسے پتھر کھانے ہوں گے لیجیے حضورؐ کے آخری وصیتی خطاب میں بھی سزائے رجم کا تذکرہ موجود ہے۔ فرمائیے کہ یہ سارا خطبہ بیٹھ کر گھڑا گیا ہے، نہ حجۃ الوداع ہوا، نہ کوئی وداعی خطبہ تھا۔ نہ اُس میں فلاں بات تھی بلکہ عجمی سازش نے ایک اور ڈرامہ گھڑ دیا ہے۔ تو پھر جناب والا کی یہ ذمہ داری ہے کہ مثلاً خاص حجۃ الوداع اور خطبہ حجۃ الوداع کے بارے میں تاریخی طور پر ثابت کریں کہ فلاں تاریخ کو فلاں جگہ فلاں فلاں اصحاب نے اسے مل کر گھڑا تھا۔ مگر شرط ہے کہ ایسے دعوے پر تاریخ سے حوالہ بہ حوالہ شہادتیں دینی ہوں گی کہ آپ جو کچھ فرما رہے ہیں، معاصرانہ تاریخ اور ادب کا ریکارڈ اس پر گواہ ہے۔ اگر آپ ایسا نہیں کر سکتے بلکہ گول مول باتوں (SWEAPING REMARKS) کا جھاڑو دینی ریکارڈ کے ساتھ ساتھ تاریخ و ادب پر بھی پھیر دینا چاہتے ہیں۔ تو کوئی پورا مخالفِ تصورِ دین یہ کہہ سکتا ہے کہ قرآن اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا جتنا بھی ریکارڈ سامنے ہے وہ سارے کا سارا کسی نے (نعوذ باللہ) عجمی سازش بلکہ مذہب پرستانہ سازش کے تحت گھڑ دیا ہے۔

جن صحابہؓ نے قرآن کو لکھا، یاد کیا اور روایت کیا ہے، انہی نے حضورؐ کی طرف سے اس کی قولی اور عملی تبیین و تشریح کو بھی لکھا، یاد رکھا اور روایت کیا ہے۔ جو صحابہؓ قرآن کو واجب الاطاعت

قرار دیتے ہیں۔ وہی قرآن اور رسول ؐ کے حوالے سے رسولِ خدا کے ارشادات اور اقدامات کی پیروی کو بھی لازم ٹھہراتے ہیں۔ وہ اگر اُدھر سچے ہیں تو اِدھر بھی سچے ہیں۔

آپ کے بالمقابل محدثین کا گروہ ہے جو کسی بھی روایت کو اوّلاً اس کے سلسلۂ روایت کے لحاظ سے پرکھتے ہیں، متعدد سلسلہ ہائے اسناد ہوں تو اُن کا تقابل کرتے ہیں۔ مفہوم کے لحاظ سے بھی ایک طرف قرآن سے تطبیق دیتے ہیں۔ دوسری طرف آنحضور ؐ کے مجموعی فرمودات اور سیرت اور ذوق کے فریم میں رکھ کر دیکھتے دکھاتے ہیں۔ پھر واقعاتی تاریخ سے شہادتیں لیتے ہیں۔ اس اہتمام کے ساتھ وہ کسی سنّت کو سامنے لاتے ہیں۔ دوسری طرف آپ ہیں کہ آپ بھرپور سازش کا خوفناک دعویٰ تو کرتے ہیں مگر دینی اور تاریخی حیثیت سے اس کا کوئی ثبوت فراہم نہیں کرتے۔ "میں نہ مانوں" کا طریقہ دین یا علم یا تاریخ کے میدانوں میں چل نہیں سکتا۔

اور پھر آپ جو یہ کہتے ہیں کہ صرف قرآن کی بات درکار ہے، اور کوئی نہ بولے۔ اس سنسر کا اطلاق آپ رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ہستی تک پر کرنے کی گستاخی تو فرماتے ہیں، مگر خود قرآن کے نکات و اسرار کی وضاحت اور آیات کے مفہوم و منطوق کی صراحت من مانے طریق سے کرنے کے لیے کتابوں پر کتابیں اور رسالوں پر رسالے لکھتے چلے جاتے ہیں۔ یعنی آپ کے خود ساختہ تصوّرِ دین کے تحت جس دائرے میں خدا کی سند اور معصومیت رکھنے والے پیغمبر کو بولنے کا حق نہیں، اُس دائرے میں آپ معلّمی اور تفسیر و تبیین کی مسند بچھا کر بیٹھتے ہیں اور بحثیں فرماتے ہیں۔ آپ لوگ سچے ہیں تو اپنے اُصول کے مطابق قرآن کا متن پڑھنے سُنانے اور لکھنے کے علاوہ قرآن اور دین کے متعلق آپ کو اپنی زبان بند رکھنی چاہیے، قلم کی حرکت کو روکنا چاہیے اور اپنے لکھے اور چھپوائے ہوئے اوراق کو آگ لگا دینی چاہیے[1]۔ پھر پکاریے کہ "حَسْبُنَا

---

[1] کوئی نامعلوم ہستی ہیں، جن کی کتاب چھپی ہے مگر سوائے نام کے اور کوئی تعارف درج نہیں، یعنی اسم معلوم مسمیٰ نامعلوم۔ جو کوئی صاحب بھی ہیں ایک انگریزی کتاب احمد نواز کے نام سے ہمارے سامنے ہے عنوان ہے "آزادی برائے قرآن" (FREEDOM FOR QURAN) اس میں ایک باب کا عنوان ہے "کتابوں کے پہاڑ" اور پھر اس وضع کردہ ترکیب کو جگہ جگہ سورۂ جمعہ کی آیت کا غلط اطلاق کر کے استعمال کیا ہے، جیسے یہ اُن کا ایک "سلوگن" ہو۔ متذکرہ باب میں وہ "مثلثِ کذب" کا ذکر فرماتے ہیں (باقی بر صفحہ آئندہ)

کتاب اللہ" مگر افسوس کہ خود یہ جملہ بھی قرآن میں موجود نہیں جس سرچشمے سے آپ یہ جملہ لیتے ہیں اس سے اور باتیں کیوں نہیں لیتے ؟ آخر یہ جملہ بھی سازش کا حصہ کیوں نہیں ہے ؟

غلط موقف کا آدمی دسیوں قسم کی اُلجھنیں پیدا کر کے خود ہی اُن میں پھنس جاتا ہے۔ مگر ہائے ری ہٹ اور ہٹ بھی کیسی مقدس ؟ "قرآن ہٹ"! بدقسمتی سے ایسی قرآن ہٹ قرآن سے ہٹا ہی لے جاتی ہے۔ رسول کو چھوڑا تو قرآن بھی گیا۔

"بہ مصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست ۔ اگر باو نہ رسیدی تمام بولہبی ست"

اس "ماڈرن سازش" کا قصہ یہیں چھوڑ کر اب ہم از سرِ نو سزائے رجم کی طرف آتے ہیں۔

جیسے کہ عرض کر چکے ہیں کسی جرم کی عمومی اور اوسط شناعت کے ساتھ ساتھ اس کے مختلف مدارج کا بھی لحاظ ضروری ہے۔ شریعت میں یہ لحاظ موجود ہے۔

رجم کی حد نہایت ہی غیر معمولی اور نادر الوقوع صورتوں میں نافذ کی جاتی ہیں۔ اگر لوگ از خود اقرار جرم نہ کر لیں تو شاید مہینوں یا برسوں میں کوئی قابلِ گرفت وقوعہ عدالت میں نہ آئے۔ کوئی ایسا شخص جو نہ نکاح کی

(حاشیہ صفحہ سابقہ) جس کے تین ضلعے ہیں: "احادیث، تفاسیر اور سیرت"۔ مصیبت تو یہ ہے کہ اس ریکارڈ کو دریا برد کیے بغیر لوگوں کی توجہ "الرسول" سے نہیں ہٹتی اور قرآن کی من مانی ماڈرن توضیحات نہیں کی جا سکتیں۔ ورنہ فی نفسہٖ قرآن و دین سے تعلق رکھنے والی کتابوں کا (بلا امتیاز) اگر وجود ہی ناقابلِ برداشت تھا تو پھر خود آنجناب نے کیوں دین کا اپنا ایک تصور پیش کیا ہے اور قرآن کے مختلف حصوں کی تفسیر کی ہے۔ احمد نواز صاحب کا مقصد یہ ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحاب اور جملہ علمائے سلف سے پہنچنے والی ہر دینی بات کو تو "مثلثِ کذب" کے گڑھے میں ڈال دو، اور میری کتاب کو سینے سے لگا لو۔ اس کے بغیر تم قرآن اور دین کو نہیں سمجھ سکو گے۔ یہ گویا رسول اللہ کے خدا کے عطا کردہ متعدد مناصب ــــ معلم، مزکی، مفسرِ قرآن، داعیِ حکمت قائدِ تحریکِ اسلامی، اسوہ و نمونہ بر لئے امت ــــ سے ہٹا کر خود اُن پر قبضہ جمانا ہے۔ ایک نئی نبوت کا اعلان کرنے کے بجائے دین کو نئے نقشے پر ڈھال دینے کے لیے یہ چال لطیف تر ہے۔ مگر وہ سوال پھر رہ جاتا ہے کہ آپ نے کتابوں کے پہاڑ میں ایک اور انسانی کتاب کا اضافہ کیوں کیا ؟

حفاظت کی پروا کرتا ہے، نہ مجرم کے استغفار کا اتنا اہتمام کرتا ہے کہ کم سے کم چار گواہ تو اُسے عین عروجِ فعل (CLIMAX) کی حالت میں نہ دیکھنے پائیں تو اوّل تو ایسا آدمی اور اس کا جرم کبھی کبھار ہی معاشرے کی قانونی گرفت میں آسکتا ہے۔ دوسرے ایسا شخص انسانیت کے کم سے کم تقاضوں کے دائرے سے خارج ہو کر وحشیانہ اور حیوانی اسفلیت کے مقام پر جا گرتا ہے۔ کوئی وجہ نہیں کہ ایسے بہیمانہ معاملات میں "شائستگی" مجرم کی سفارشی بن کے آکھڑی ہو۔

ایسے شاذ و نادر وقوعوں کے لیے رسولِ برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے سے موجود "الکتاب" کے ایک معروف و معلوم حکم کو لے لیا اور نافذ کر دیا۔ پھر اُسی کی تعلیم دی۔

اب اگر کوئی شخص قرآن کو رسولؐ سے جدا کرلے تو وہ تو نماز کی کوئی ترتیب تک مقرر نہیں کر سکتا روزے کے بے شمار ضروری احکام کو نہیں جان سکتا۔ دیگر ازدواجی اور کاروباری اور سماجی معاملات میں قطعی ضابطے نہیں بنا سکتا۔ بہت سی اصطلاحات کا تو وہ محض ایک فلسفیانہ ہیولیٰ گھڑ سکتا ہے، اور ایسے امور میں اُمت بننا اور ریاست قائم کرنا تو کجا دو آدمی بھی متفق نہیں ہو سکتے۔ انکارِ حدیث افتراق کا راستہ ہے، بلکہ تاراج کا!

لے قاعدہ یہ ہے کہ مذاہبِ ماسبق کی کتب کے مندرجات یا جاہلی مذہبی وسماجی رسوم میں سے بعض اجزاء کو قرآن یا رسول اللہؐ نے منسوخ کیا، بعض کی اصلاح کی اور بعض صحیح چیزوں کو جوں کا توں لے لیا۔ اگر کتبِ سابقہ کے محفوظ حصوں میں کوئی بات خدا کی وحی کردہ تھی اور اُسے تبدیل و منسوخ کرنے کا حکم نہیں آیا یا کوئی متبادل صورت خدا کے نبیؐ نے متعین نہیں بلکہ اُسی پہلی بات کو جاری فرما دیا تو وہ بھی شریعت کا جزو ہو گئی۔ نماز روزہ، حج، عمرہ، قربانی اور کئی دوسرے مسائل میں سابق شریعتوں کے حقیقی احکام کی یا تو تجدید کی گئی یا اُن میں ترمیم۔ آخر آنحضورؐ کو تو علم دیا گیا تھا کہ کس معاملے میں کس پیغمبر کا عمل کیا اور اس کی اُمت کا معمول کیا تھا۔ خود زانی محصن کا جو مقدمہ یہودیوں کی طرف سے آیا تھا۔ اُس میں آپؐ نے تورات کے مطابق فیصلہ کیا اور یہودیوں نے متعلقہ آیت کو چھپانے کی کوشش کی، مگر حضورؐ نے اُن کے مکر کا قلع قمع کر دیا۔ ظاہر ہے کہ اس مقدمے کے دوران میں حضورؐ اور صحابہؓ کے درمیان بار بار گفتگوئیں ہوئی ہوں گی، جن میں آپؐ نے سزائے رجم کو خدائی قانون اور کتاب اللہ (تورات) کی آیت قرار دیا۔